ایسٹ انڈیا کمپنی اور ریاست بہاولپور کے باہمی تعلقات کا جائزہ

ڈاکٹر آفتاب حسین گیلانی و
محمد طاہر

ہندوستان میں مغلیہ سلطنت کے زوال کے بعد تقریباً چھ سو ریاستیں قائم ہوئیں۔ یہ ریاستیں براہ راست تاج برطانیہ کے زیر اثر تھیں۔ ان ریاستوں کے حکمرانوں کے حقوق کی ضمانت باقاعدہ طور پر معاہدوں کی شکل میں کی جاتی تھی۔ جس کی توثیق تاج برطانیہ سے ہوتی تھی۔ برصغیر میں برطانوی برتری کا آغاز ایسٹ انڈیا کمپنی کے دور میں لارڈ ولز لے (۱۷۹۸ء۔۱۸۰۵ء) نے ۱۷۹۹ء میں اپنے امدادی نظام (Subsidiary System) سے کیا۔ جس کے مطابق کمپنی کی امدادی فوج کے اخراجات کی عدم ادائیگی پر ریاست کا کچھ علاقہ ہتھیا لیا جاتا۔ اس سلسلے میں ان کا پہلا شکار حیدر آباد کی ریاست ہوئی۔ اسی طرح ۱۸۰۱ء میں ریاست اودھ سے امدادی رقوم کے بقایا جات کی عدم ادائیگی کی بناء پر اس کے تقریباً نصف مقبوضات پر قبضہ کر لیا گیا تاہم بہت سی ریاستوں نے جن میں راجپوت ریاستیں بھی شامل ہیں، اس نظام کو قبول کیا۔ یہاں تک کہ مغل بادشاہ شاہ عالم ثانی (۱۸۰۶۔۱۸۵۹ء) نے بھی اسی نظام کو قبول کرنے میں بہتری سمجھی اور اس طرح انگریز رفتہ رفتہ برصغیر کی سب سے بڑی قوت بن گئے۔ پھر ریاستوں اور انگریز حکومت کے تعلقات میں اضافہ ہوا۔ یہ ریاستیں امور خارجہ میں بالا دست حکومت کے تابع تھیں لیکن اندرونی معاملات نظم ونسق میں ان کی خود مختاری کو تسلیم کیا گیا بلکہ ممکنہ حد تک کم سے کم مداخلت کی جاتی رہی۔ [1] اسی طرح لارڈ ولیم بینٹک (Bentinck) (۱۸۲۸ء۔۱۸۳۵ء) کے دور میں بھی ریاست کے اندرونی معاملات میں عدم مداخلت کی پالیسی کو جاری رکھا گیا لیکن بہت جلد ریاستوں اور انگریز حکومت کے خوشگوار تعلقات ختم ہو گئے۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ لارڈ ڈلہوزی (۱۸۴۸ء۔۱۸۵۶ء) نے ریاستوں پر قبضہ کرنے کے لیے الحاق کی پالیسی اختیار کی جس کے تحت

ریاستوں میں انتظامی ابتری پیدا ہونے اور حکمرانوں میں نرینہ وارث نہ ہونے کی صورت میں متبنٰی بنانے کا حق چھین لیا گیا۔اسی پالیسی کے تحت ۱۸۵۴ء تک ستارا، جیت پور، سمبل پور، اودھے پور، جھانسی اور ناگپور اور ۱۸۵۶ء میں اودھ کی ریاستوں کا الحاق عمل میں آیا۔جس کے نتیجے میں ہندوستان میں افراتفری اور بغاوتوں کا ایک سلسلہ چل نکلا جو بالآخر ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کا ایک سبب بنا۔۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں ریاستوں پر جبری قبضہ کرنے کی یا الحاق کی پالیسی کی نفی کی گئی اور اسی دوران کمپنی کی حکومت کے خاتمے کے بعد برصغیر براہ راست تاج برطانیہ کے تحت ہوگیا۔اس نئی حکومت نے ریاستوں سے متعلق بھی سابقہ پالیسی ماتحتانہ علیحدگی والحاق کی بجائے ''فاتحانہ اتحاد'' کی حکمت عملی کو اپنایا جس کے نتیجے میں حکومت اور ریاستوں کے درمیان براہ راست رابطہ قائم کیا گیا۔ [۲]

جنگ آزادی کے بعد برطانوی حکومت کی طرف سے ہندوستانی ریاستوں کے ساتھ بہتر تعلقات کا آغاز ہوا جو وقت گزرنے کے ساتھ اور مستحکم ہوئے۔اسی لیے انگریزوں نے ریاستی حکمرانوں سے مغل شہنشاہوں جیسا سلوک اختیار کیا۔ان کی وفاداری اور خدمات کی بدولت ان نوابوں اور راجاؤں کو خطابوں سے نوازا جاتا۔جاگیریں عطا کی جاتیں۔میسور کی ریاست ۵۰ سال بعد ان کے راجاؤں کو واپس کر دی گئی۔بنارس کو ۱۹۱۲ء میں ریاست کا درجہ دے دیا گیا۔ریاستوں میں بدنظمی اور کم سن حکمرانوں کے معاملات چلانے کے لیے ایجنسی کے تحت ریاستی نظم ونسق چلانے کا بندوبست کیا گیا۔حیدرآباد جیسی بڑی ریاست کو سکہ سازی، ریلوے اور ڈاک تک کے اختیارات حاصل تھے۔جب کہ بیرونی جارحیت اور خطرات کی صورت میں ان ریاستوں کو برطانوی ہند کی جانب سے مکمل تحفظ کی ضمانت دی گئی تھی۔ اسی وجہ سے خارجہ امور کے سلسلے میں کسی ریاست کے حکمران کو کسی بیرونی ملک یا ریاست سے برطانوی ہند کی اجازت کے بغیر تعلقات استوار کرنے کی اجازت نہیں تھی۔اسی طرح علاقائی ریاستوں کے آپس کے باہمی تنازعات میں بھی مرکزی حکومت کو سپریم حیثیت حاصل تھی۔اس کا فیصلہ حتمی تصور ہوتا تھا۔ [۳] ریذیڈنٹ اور پولیٹیکل ایجنٹ ریاستوں

اور حکومت ہند کے درمیان رابطے کا ذریعہ تھے۔ حکومت ہند کا ایک علیحدہ محکمہ امور خارجہ اور سیاسی امور کے نام سے ہندوستانی ریاستوں کے معاملات سے متعلق تھا۔ یہ محکمہ براہ راست وائسرائے کے پاس تھا جس کی معاونت کے لیے سیکرٹری امور خارجہ اور پولیٹیکل سیکرٹری ہوتے تھے۔ جب کہ ریذیڈنٹ اور پولیٹیکل ایجنٹ ان کے زیر نگرانی تھے۔ [۴] ریاست میں افراتفری اور غیر یقینی صورتحال میں برطانوی حکومت کو مداخلت کرنے اور نظم و نسق کو عارضی طور پر اپنے کنٹرول میں لے لینے کا اختیار حاصل تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ ریاستوں کے متعلق معاملات میں حکومت برطانیہ اپنی برتر حیثیت کا ہمیشہ احساس دلاتی رہتی تھی۔

برصغیر میں ایک مسلم ریاست بہاول پور ایک اہم ترین ریاست تھی۔ ریاست بہاول پور کا آغاز ۱۷۲۷ء میں عمل میں آیا اور امیر صادق محمد خاں اس کے پہلے حکمران قرار پائے۔ جن کا تعلق بغداد کے خلفائے عباسیہ سے تھا اور جن کی نسل کافی عرصہ سے سندھ میں حکمران رہی تھی۔ سندھ میں عباسیوں کا عروج کچھ اس طرح سے شروع ہوا کہ پہلے پہل انہوں نے مذہبی قیادت سنبھالی بعد میں ان کی اولاد زمیندار جاگیردار بن گئی اور آخر میں زیریں اور بالائی سندھ میں سیاست کا افراتفری کا فائدہ اٹھا کر یہ وہاں کے حکمران بن گئے۔ شہنشاہ اکبر کا شہزادہ مراد ملتان آیا اور تمام سندھ کے امراء نے اس کے دربار میں حاضری دی تو ان میں عباسی امیر چنی خاں بھی شامل تھا۔ جب شہزادہ مراد کو اس کے خاندان کے پس منظر کا پتہ چلا تو اس نے اوباڑہ سے لے کر لاہوری بندر تک امیر چنی خان کی سپردگی میں دے کر اپنا نائب مقرر کر دیا۔ اس کے علاوہ امیر چنی خاں کو پنج ہزاری کا منصب بھی عطا کیا۔ امیر چنی خاں کے دو فرزند تھے ایک امیر مہدی خاں اور دوسرے امیر داؤد خاں۔ ان کی وفات کے بعد امیر مہدی خاں اپنے والد کے جانشین بنے۔ امیر مہدی خاں کا تھوڑے عرصہ بعد انتقال ہو گیا اور ان کا لڑکا امیر ابراہیم خاں المعروف کلہوڑا تخت نشین ہوئے۔ جس کے بعد ان کے چچا امیر داؤد خاں سے ان کی کشمکش کا آغاز ہوا اور عباسی دو گروہوں میں بٹ گئے اور نتیجتاً امیر کلہوڑہ کی اولاد

علاقہ سندھ پر قابض ہوگئی اور امیر داؤد خاں کی اولاد سندھ سے نقل مکانی کر کے موجودہ بہاول پور کی حدود میں آ گئی۔عباسیوں کی اس شاخ کے سربراہ امیر صادق محمد خاں تھے جو مخادیم گیلانی و بخاری کی دعوت پر پہلے پہل اوچ میں قیام پذیر ہوئے پھر انہوں نے گورنر ملتان سے رابطہ کر کے چوہدری اور شکار پور کا علاقہ بطور جاگیر حاصل کیا اور اللہ آباد شہر کی بنیاد رکھی۔جس کے حکمرانوں میں امیر بہاول خاں ثانی (۱۷۷۲ء۔۱۸۰۹ء) کو ایک اہم مقام حاصل تھا۔ان کا یہ دور بہاول پور کی ایک آزاد ریاست کی تشکیل وتعمیر کا دور تھا۔جس میں انہوں نے نہ صرف اس وقت کی ہمسایہ ریاستوں، پنجاب میں سکھوں سے اور ملتان، سندھ، بیکانیر اور جیسلمیر کے ہندو حکمرانوں سے اپنے آپ کو منوایا بلکہ مغل فرمانروا اور کابل کے حکمران سے خطابات حاصل کیے۔اپنی خودمختاری اور آزاد حیثیت کو تسلیم کروانے کے لیے ٹکسال قائم کر کے اپنے سونے، چاندی اور تانبے کے سکے جاری کیے۔بہاول خاں ثانی کی برصغیر کے حالات پر بھی گہری نظر تھی۔وہ انگریزوں کی بڑھتی ہوئی طاقت سے اچھی طرح واقف تھے۔اس دور میں انگریز ہندوستان پر روسی اور یورپی حملے کے خطرات محسوس کر رہے تھے جس کے لیے انہیں افغانستان اور خراسان کے معاملات پر نظر رکھنے کے لیے ایک وفد بھیجنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔اس سلسلے میں برطانیہ سے یہ ہدایت نامہ دہلی کی انگلش حکومت کو موصول ہوا کہ براستہ بیکانیر اور بہاول پور ایک وفد کی روانگی کا بندوبست کیا جائے۔اس وفد کو صحرائے چولستان سے گزرنا تھا جس کو عبور کرنے کے لیے انہیں ریاست بہاول پور کے امیر کی اجازت وحمایت کی ضرورت تھی۔اس ضمن میں مسٹر سیٹن (Seton) نے دہلی سے میر عزت اللہ خاں کو ایک خط کے ہمراہ دربار بہاول پور سے دوستانہ مراسم استوار کرنے کے لیے سفیر کی حیثیت سے روانہ کیا۔[۵] پھر میر عزت اللہ انگریز حکومت کے پہلے باقاعدہ نمائندہ کی حیثیت سے قلعہ دراوڑ میں امیر آف بہاول پور سے ملے، جس میں انہوں نے بہاول پور کے راستے انگریز وفد کے گزرنے کی اجازت طلب کی۔اس ضمن میں نواب موصوف نے اپنے درباری امراء سے مشورہ کیا۔اگرچہ کچھ امراء نے برطانوی وفد کے بہاول پور کی سرزمین

سے گزرنے کی مخالفت کی لیکن بالآخر امیر نے اپنے دوستانہ رویے کی وجہ سے ان کو علاقے سے گزرنے کی اجازت دے دی۔ اس سفارتی کامیابی کے نتیجے کے طور پر ۱۸۰۸ء میں ایک چودہ رکنی سفارتی وفد جس کی قیادت ایسٹورٹ انفنسٹن (۱۷۷۹ء۔۱۸۵۹ء) کر رہا تھا ریاست بیکانیر کے راستے بہاول پور میں داخل ہوا۔ امیر آف بہاول پور نے اسے بھی خوش آمدید کہا۔

اس طرح اس ملاقات و مذاکرات سے ریاست کے انگریزوں کے ساتھ تعلقات کی ابتداء ہوئی۔ یہ وہ دور تھا جب مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اپنی حکومت کو مزید وسعت دینے کے لیے مشرقی پنجاب میں دریائے ستلج کے شمالی کنارے پر واقع چھوٹی ریاستوں کی طرف اپنا رخ کیا لیکن اس وقت تک ایسٹ انڈیا کمپنی بھی اس علاقے تک پہنچ چکی تھی۔ چنانچہ ان دو بڑی قوتوں نے براہ راست ایک دوسرے کے سامنے آنے کی بجائے ان چھوٹی ریاستوں کو ۱۸۰۹ء میں ہونے والے ایک معاہدے کے تحت اپنے درمیان حد فاصل قرار دے دیا۔ [۶]

اسی دوران مہاراجہ رنجیت سنگھ نے ریاست بہاول پور کے اس علاقے پہ جو دریائے ستلج کے شمال مشرقی کنارے پر واقع تھا، قبضہ کرلیا اور ریاست پہ باقاعدہ خراج کا اطلاق بھی کر دیا۔ ۱۸۱۸ء میں رنجیت سنگھ کی فوج نے ملتان پر ایک بڑا حملہ کیا۔ اس مرتبہ نواب مظفر خاں نے جنگ کرنے کی کوشش کی جس میں وہ اپنے بیٹوں سمیت مارا گیا اور ملتان پر رنجیت سنگھ کا قبضہ ہو گیا۔ [۷]

رنجیت سنگھ کی فتح ملتان نے ریاست بہاول پور کو اب حقیقی معنوں میں اپنی سلامتی کی فکر لاحق کر دی تھی۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ جس تیزی سے اپنے مقبوضات میں اضافہ کر رہا تھا اس سے یہ اندازہ لگانا قطعی مشکل نہ تھا کہ پورے پنجاب کو فتح کرنے کے بعد اس کا اگلا ہدف ریاست بہاول پور اور صوبہ سندھ تھے چنانچہ مہاراجہ نے اس طرف پیش قدمی کرتے ہوئے ۱۸۱۹ء میں ریاست بہاول پور کے علاقے ڈیرہ غازی خاں پر بھی قبضہ کرلیا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کی

شدید خواہش تھی کہ وہ امیران سندھ سے خراج وصول کرے اور اس کے لیے وہ صوبہ سندھ کے کچھ علاقوں خاص طور پر شکار پور پر قبضہ کرنا چاہتا تھا۔ اپنے اس منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے ۱۸۲۹ء میں رنجیت سنگھ نے سندھ کے علاقے کوٹ سبزل پر حملہ کرنے کے لیے ریاست بہاول پور کے کچھ علاقوں اور بلوچستان کے علاقوں داجل اور ہراند کو اپنے قبضے میں کرلیا۔ [۸]

رنجیت سنگھ کی دریائے سندھ کے ساتھ ریاست بہاول پور کی سرحد پہ کاروائیاں اس بات کا واضح اشارہ تھیں کہ ریاست بہاول پور اب رنجیت سنگھ کے ہاتھوں محفوظ نہیں رہی۔ ان حالات میں ریاست بہاول پور کے نواب محمد بہاول خاں ثالث (۱۸۲۵ء۔۱۸۵۲ء) ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرف دیکھ رہے تھے جو اس علاقے میں بڑی طاقت کی حیثیت سے ابھر رہی تھی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کی تشکیل بنیادی طور پر تجارت کی غرض سے ہوئی تھی لیکن جب ہندوستان سیاسی طور پر انتشار کا شکار ہوا تو کمپنی نے اپنے تجارتی مقاصد کو تقویت دینے کے لیے سرگرمیاں شروع کر دیں۔ سب سے پہلے کمپنی نے اپنی عسکری حیثیت کو مضبوط بنانے کے لیے بحر ہند کے ساتھ ساتھ جنوب مشرقی ہندوستان میں قلعہ بندیوں کا عمل شروع کیا۔ پھر نادر شاہ درانی اور احمد شاہ ابدالی کے لائے ہوئے سیاسی انتشار کا فائدہ اٹھا کر اس نے اپنے مقبوضات کو وسعت دینا شروع کر دی۔ اس طرح انیسویں صدی عیسوی کی ابتدا میں ایسٹ انڈیا کمپنی تمام جنوب مشرقی اور وسطی ہندوستان کو اپنے زیر نگیں لاتے ہوئے شمال مغربی ہندوستان تک پہنچ گئی۔ ہندوستان کے اس خطے میں چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے ساتھ ساتھ دو بڑی حکومتیں تھیں۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کی حکومت پنجاب اور امیران تالپور کی حکومت سندھ۔ یہ علاقے اپنی زرخیزی اور دریائی گزرگاہوں کے باعث بہت اہمیت کے حامل تھے۔ ان صوبوں کی شمال مغربی سرحدیں افغانستان اور ممالک فارس سے متصل تھیں۔ جو نہ صرف خشکی کے اہم تجارتی راستے تھے بلکہ عسکری لحاظ سے بھی ان کی اہمیت بہت زیادہ تھی جو ایسٹ انڈیا کمپنی کی تجارتی سرگرمیوں اور برطانیہ کے بین الاقوامی سیاسی اثر و رسوخ کی کشمکش میں

اہم کردار ادا کر سکتے تھے۔ جس میں فرانس، برطانیہ اور روس ایک دوسرے کے مدمقابل تھے۔ انیسویں صدی عیسوی کے شروع تک فرانسیسی جرنیل نپولین اس سیاسی کشمکش میں سب سے نمایاں تھا۔ برطانیہ کو یہ خطرہ تھا کہ کہیں نپولین ترکی کی سلطنت عثمانیہ اور ممالک فارس ۔ مل کر افغانستان کے راستے ہندوستان پر حملہ آور نہ ہو جائے۔ [9]

اس وقت کمپنی کا نقطہ نظر یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ رنجیت سنگھ کے علاقہ حکومت کو اپنے اور افغان علاقے درمیان بفر اسٹیٹ کے طور پر استعمال کرنا چاہتی ہے چنانچہ اس مقصد کے لیے ایسٹ انڈیا کمپنی نے رنجیت سنگھ کی علاقائی توسیع پسندانہ پالیسی سے مصلحتاً احتراز برتا لیکن ۱۸۰۶ء میں نپولین کی وفات کے بعد یورپی سیاست کے معاملات بدل گئے۔ فرانسیسی حملے کا خطرہ ختم ہوتے ہی ایسٹ انڈیا کمپنی کے نقطہ نظر میں بھی واضح تبدیلی آئی جس کے مطابق ۱۸۰۹ء میں کمپنی نے رنجیت سنگھ کے ساتھ معاہدے میں اس کی توسیع پسندانہ پالیسی پر پہلی مرتبہ اس شرط کے ساتھ پابندی لگائی کہ وہ دریائے ستلج کے شمالی کنارے پر واقع چھوٹی آزاد ریاستوں پر حملہ آور نہ ہوگا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے لیے اگرچہ فرانسیسی حملے کا خطرہ ختم ہو چکا تھا لیکن روسی جارحیت کی تلوار بدستور اس کے سر پر لٹک رہی تھی۔ اس لیے کمپنی کا ارادہ یہ تھا کہ روس کے وسط ایشیا اور ایران میں بڑھتے ہوئے اثرات کے پیش نظر اس علاقے میں اپنے قدموں کو مستحکم کرے تا کہ وہ افغانستان اور ایران میں رونما ہونے والے واقعات کا جائزہ لے سکے اور وسط ایشیا میں روسی تجارتی سرگرمیوں پر بھی نظر رکھ سکے۔ اس لیے کمپنی نے سندھ کے معاملات میں زیادہ دلچسپی لینے کا فیصلہ کیا تا کہ سندھ اور بلوچستان کی طرف رنجیت سنگھ کے بڑھتے ہوئے قدموں کو روکا جا سکے اور اس کے ساتھ افغانستان تک اس کی رسائی بھی آسان ہو جائے۔ اس کے لیے کمپنی نے اپنے نمائندہ الیگزینڈر برنس (Alexander Burnes) کو سندھ کے جائزے کے لیے بھیجا۔ الیگزینڈر برنس ریاست بہاول پور سے ہوتا ہوا وادی سندھ میں داخل ہوا۔ اس نے اپنے سروے کے دوران وادی سندھ کی جغرافیائی حیثیت سے متعلق تفصیلی نقشہ جات تیار کیے اور ان راستوں کا تعین کیا جو

عسکری وتجارتی لحاظ سے ایسٹ انڈیا کمپنی کی افغان اور وسط ایشیائی پالیسی کے لیے انتہائی اہم تھے۔ [10]

مہاراجہ رنجیت سنگھ نے ۱۸۱۹ء میں ڈیرہ غازی خاں فتح کرنے کے بعد نواب صادق محمد خاں ثانی (۱۸۰۹ء۔۱۸۲۵ء) کو تین لاکھ روپے سالانہ خراج پر دیا تھا لیکن ہر سال وہ خراج کی رقم میں اضافہ کر دیتا تھا، جو ریاست کو مجبوراً ادا کرنا پڑتا۔ جب نواب بہاول خاں ثالث برسراقتدار آیا تو خراج کی یہ رقم پانچ لاکھ روپیہ سالانہ ہو چکی تھی چنانچہ ریاست کی طرف سے خراج کی رقم ادا کرنے کے سلسلے میں تاخیر ہونے لگی۔ رنجیت سنگھ جو پہلے ہی ریاست بہاول پور پر حملے کا ارادہ کیے ہوئے تھا۔ اس نے ۱۸۳۱ء میں اپنے فرانسیسی جنرل (Vintura) ونٹورا کو ڈیرہ غازی خاں پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا۔ جنرل ونٹورا نے ڈیرہ غازی خاں پر حملہ کر کے نواب بہاول خاں ثالث کے نمائندے کو علاقے سے بے دخل کر دیا۔ [11] ڈیرہ غازی خاں پر قبضہ کرنے کے بعد رنجیت سنگھ نے براہ راست ریاست بہاول پور پر حملے کا منصوبہ بنایا۔ جس کے لیے اس نے فوج کے دو دستے تشکیل دیے۔ ایک دستے کو جنرل ونٹورا کی قیادت میں پاکپتن کے راستے مشرق کی جانب سے حملے کے لیے بھیجا جب کہ دوسرا دستہ جنرل شام سنگھ کی قیادت میں ڈیرہ غازی خاں سے ریاست کے شمال مغربی حصے پر حملہ کرنے کے لیے پیش قدمی کرنے لگا۔ [12]

اس مشکل وقت میں نواب بہاول خاں ثالث کو کسی مددگار کی ضرورت تھی اس کے لیے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ تن تنہا رنجیت سنگھ کی فوج سے جنگ کر سکے۔ نواب بہاول خاں کو اپنی ہمسایہ ریاستوں سندھ، بیکانیر یا جیسلمیر سے مدد کی کوئی امید نہ تھی کیونکہ ان کے درمیان کبھی اچھے تعلقات نہ رہے تھے اور وہ اتنی بڑی قوتیں بھی نہ تھیں کہ رنجیت سنگھ کا راستہ روک سکتیں۔ ان حالات میں ایسٹ انڈیا کمپنی ہی وہ واحد طاقت تھی جو رنجیت سنگھ کو اس کے منصوبے پر عمل درآمد کرنے سے روک سکتی تھی۔ جس کے ساتھ ریاست کے غیر رسمی تعلقات ۱۸۰۹ء سے قائم تھے۔ جب ایسٹ انڈیا کمپنی کا سفیر مسٹر الفنسٹن کابل جاتے ہوئے ریاست بہاول پور سے گزرا تھا جہاں نواب بہاول خاں ثانی نے اس کا

شاندار استقبال کرتے ہوئے قیمتی تحائف نذرانے کے طور پر دیے تھے اور کمپنی کے ساتھ دوستانہ مراسم قائم کرنے کا مدعا بھی بیان کیا تھا جس کا مسٹر الفنسٹن نے حوصلہ افزا جواب دیا تھا۔ اب ریاست کی بقا کو خطرے میں دیکھ کر نواب بہاول خاں ثالث نے اپنا نمائندہ غلام مصطفیٰ شاہ کو شملہ میں گورنر جنرل ڈبلیوسی بینٹک کے پاس بھیجا اور ان سے مدد کی استدعا کی۔[۱۳]

ایسٹ انڈیا کمپنی خود ان علاقوں میں اپنا اثر ورسوخ قائم کرنے کے لیے کوشاں تھی اور رنجیت سنگھ کو سندھ کی طرف بڑھنے سے روکنا چاہتی تھی اس لیے کمپنی رنجیت سنگھ کی فوجی نقل وحرکت کا فوراً نوٹس لیا اور اسے متنبہ کیا کہ وہ دریائے ستلج کو عبور نہ کرے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کی تنبیہہ پر رنجیت سنگھ کی افواج واپس چلی گئیں۔[۱۴] اس طرح نواب بہاول خاں ثالث مہاراجہ رنجیت سنگھ سے ریاست بہاول پور کو بچانے میں کامیاب رہا۔ اس ساری صورتحال سے یہ بات واضح تھی کہ ایسٹ انڈیا کمپنی صوبہ سندھ میں اپنے مفاد کے پیش نظر رنجیت سنگھ کو دریائے سندھ کے دونوں اطراف میں اپنی حکومت قائم کرنے سے روکنا چاہتی تھی چنانچہ اس نے ریاست بہاول پور کو مستقل طور پر اپنی سرپرستی میں لینے کا فیصلہ کیا۔ اس کے لیے کمپنی نے لدھیانہ میں متعین اپنے پولیٹیکل ایجنٹ کیپٹن سی ایم ویڈ اور لیفٹیننٹ میکسن کو نواب بہاول خاں ثالث سے معاہدہ کرنے کے لیے ریاست بہاول پور بھیجا۔[۱۵] بالآخر ۲۲ فروری ۱۸۳۳ء کو ایسٹ انڈیا کمپنی اور ریاست بہاول پور کے نمائندوں کے درمیان باہمی بات چیت کے بعد معاہدہ طے پایا گیا جس کے اہم نکات یہ تھے:

۱۔ ایسٹ انڈیا کمپنی اور نواب محمد بہاول خاں، اس کے ورثا و جانشینوں کے درمیان دوستی واتحاد قائم رہے گا۔

۲۔ ایسٹ انڈیا کمپنی ریاست بہاول پور کے موروثی یا غیر موروثی علاقہ میں دست اندازی نہیں کرے گی۔

۳۔ نواب اپنی ریاست کے انتظام واختیارات اور رعایا کے حقوق کے بارے میں خودمختار رہیں گے۔

۴۔ برطانوی حکومت کا جو نمائندہ نواب کے دربار میں رہنے کے لیے مقرر ہوگا وہ درج بالا شرائط کے مطابق نواب کے انتظام میں مداخلت سے پرہیز کرے گا اور دونوں حکومتوں کے درمیان دوستی کے قیام کو مدنظر رکھے گا۔

۵۔ ریاست بہاول پور یہ منظور کرتی ہے کہ ریاست کے علاقے میں دریائے سندھ اور دریائے ستلج کے ذریعے سوداگروں کو آمدورفت کی اجازت ہے بشرطیکہ پروانہ راہداری ان کے پاس ہو۔

۶۔ حکومت بہاول پور اقرار کرتی ہے کہ جو تاجر اس راستہ سے گزریں گے ان سے اشیاء تجارت پر مناسب محصول وصول کیا جائے گا جس میں کمی بیشی نہ ہوگی۔

۷۔ مقررشدہ محصول کو عام مشتہر کیا جائے گا اور علاقہ بہاول پور کے مال گزاری پر متعین افسران محصول کی وصولی کے بعد تاجروں کو کسی حد پر نہیں روکیں گے۔

۸۔ انہیں اشیاء تجارت پر محصول وصول کیا جائے گا جو مقررہ راستے سے گزریں گی اور اس کا واسطہ اس محصول سے نہیں ہوگا جو کہ ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک جانے کے لیے گھاٹ پر لیا جاتا ہے۔

۹۔ جو تاجر اس راستہ سے گزریں گے ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ جب تک علاقہ ریاست میں رہیں گے حکومت نواب کا خیال رکھیں اور کوئی عمل ایسا نہ کریں جو ملکی انتظام اور ریاستی عوام کے مذہب کے خلاف ہو۔

۱۰۔ جو محصول نواب کے ساتھ مقرر کیا جائے گا اسی قدر اس کے اہلکاروں کے ذریعے مقررہ مقامات پر وصول ہوگا۔

۱۱۔ سامان کا جائزہ لینے اور محصول کے لیے حکومت بہاول پور کے جو اہلکار مقرر ہوں گے وہ

مقامات مٹھن کوٹ اور ہری کے، قیام کریں گے اور دونوں مقامات کے علاوہ کہیں کشتیاں نہیں روکی جائیں گی اور نہ سامان کی تلاشی لی جائے گی۔

۱۲۔ جب تاجر کسی مقام پر اپنی مرضی سے کشتیاں روکیں گے اور کچھ سامان اتاریں یا لادیں گے اس سامان پر معاہدے کے آٹھویں شرط کے مطابق محصول لیا جائے گا۔

۱۳۔ جو سپرنٹنڈنٹ مٹھن کوٹ ٹھہرے گا وہ سامان کی تلاشی لے کر اور محصول وصول کر کے پروانہ راہداری دے گا جس میں سامان کی تفصیل درج ہوگی۔ جب یہ کشتی ہری کے پہنچے گی تو وہاں پر متعین سپرنٹنڈنٹ فہرست کے مطابق سامان کا جائزہ لے گا جو سامان زائد ہوگا اس پر محصول لیا جائے گا اور باقی سامان بلا روک جانے دیا جائے گا۔

۱۴۔ ہری کے سے مٹھن کوٹ جانے والی تجارتی کشتیوں پر بھی یہی طریقہ کار لاگو ہوگا۔

۱۵۔ نواب کے اہلکار حتی المقدور تاجروں کی حفاظت کریں گے اور جو تاجر کسی مقام پر رات بسر کریں گے کسی تھانہ دار یا صاحب اختیار شخص کو پروانہ راہداری دکھا کر حفاظت طلب کریں۔

۱۶۔ اس عہد نامہ میں انتظام ملک اور تجارت کی نسبت جو بھی شرائط رہیں دونوں حکومتیں اس کی پابندی کریں گی۔ [۱۶]

اس معاہدے کی پہلی چار شرائط ریاست بہاول پور اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے درمیان اتحاد اور دوستی کی توثیق کرتی تھیں جس کے تحت ریاست بہاول پور کو اپنے داخلی وخارجی معاملات میں آزادی دی گئی اور ریاست بہاول پور میں کمپنی کے معاملات کی دیکھ بھال کے لیے کمپنی کا نمائندہ متعین کیا گیا تھا۔ اس طرح ایسٹ انڈیا کمپنی نے کافی حد تک ریاست بہاول پور کے ساتھ برابری کی سطح پر اپنے تعلقات قائم کیے تھے۔

معاہدے کی باقی شرائط دریائے ستلج اور دریائے سندھ میں ایسٹ انڈیا کمپنی سے تعلق رکھنے والی تجارتی آمدورفت سے تعلق رکھتی تھی۔

معاہدے میں اگرچہ ایسٹ انڈیا کمپنی اور ریاست بہاول پور کے درمیان اتحاد اور دوستی کی بات کی گئی تھی لیکن ایک دوسرے کے لیے عسکری تعاون کا ذکر نہ تھا تاہم بالواسطہ طور پر ایسٹ انڈیا کمپنی نے رنجیت سنگھ کو جتا دیا تھا کہ ریاست بہاول پور اب اس کی حلیف بن چکی ہے اور وہ دوبارہ ریاستی علاقہ پر حملہ کرنے کی جرأت نہ کرے۔ اس طرح ایسٹ انڈیا کمپنی نے ریاست بہاول پور کو رنجیت سنگھ اور صوبہ سندھ کے درمیان رکاوٹ بنا دیا جس کی وجہ سے رنجیت سنگھ کا صوبہ سندھ کی طرف بڑھنے کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہوسکا۔ اس پابندی کو مزید مستحکم کرنے کے لیے ایسٹ انڈیا کمپنی نے مارچ ۱۸۱۵ء میں مہاراجہ رنجیت سنگھ سے بھی دریائے ستلج اور دریائے سندھ میں تجارتی آمدورفت سے متعلق معاہدہ کرلیا۔[17] اس طرح دریائے ستلج اور دریائے سندھ رنجیت سنگھ اور نواب بہاول خاں ثالث کے درمیان سرحد قرار پائے۔

اس تمام صورتحال سے یہ بات بھی واضح تھی کہ ایسٹ انڈیا کمپنی اور مہاراجہ رنجیت سنگھ دونوں ایک دوسرے سے خوف زدہ تھے اس لیے وہ بالواسطہ طور پر اپنی سرحدوں کے درمیان فاصلہ قائم رکھنا چاہتے تھے جیسا کہ انھوں نے ۱۸۰۹ء میں معاہدہ کر کے دریائے ستلج کی شمالی ریاستوں کو تحفظ دیا تھا تاہم ایسٹ انڈیا کمپنی ان چھوٹی غیر اہم ریاستوں کی بجائے افغان سرحد کے قریب ہونے کے لیے صوبہ سندھ اور پنجاب پر نظر رکھے ہوئے تھی اور رنجیت سنگھ کو اس کے علاقے تک محدود کر کے بتدریج کمزور کرنا چاہتی تھی۔ اسی لیے نواب بہاول خاں ثالث نے ایسٹ انڈیا کمپنی سے معاہدہ کر کے بڑی عقل مندی کا ثبوت دیا تھا کیونکہ ریاست بہاول پور دو طاقتور دشمنوں رنجیت سنگھ اور امیران سندھ کے درمیان واقع تھی ایسے میں ایسٹ انڈیا کمپنی ہی ریاست بہاول پور کو تحفظ دے سکتی تھی۔

اس معاہدے کی وجہ سے ریاست بہاول پور معاشی طور پر بھی فائدہ حاصل ہوا کیونکہ اس سے پہلے دریائے ستلج پر اور دریائے سندھ پر ریاست کی جانب سے باقاعدہ طور پر محصولات کا نظام قائم نہ تھا لیکن اب نہ صرف ایسٹ انڈیا کمپنی کی وجہ سے دریائی تجارت میں اضافہ ہوا بلکہ ریاست کو محصولات بھی وصول ہونا شروع ہو گئے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے ریاست بہاول پور سے معاہدے کی چوتھی شرط کے مطابق لیفٹیننٹ میکسن کو ریاست میں اپنا پہلا پولیٹیکل ایجنٹ مقرر کر دیا۔ [۱۸]

ایسٹ انڈیا کمپنی سے معاہدے کے بعد نواب بہاول خاں ثالث نے مہاراجہ رنجیت سنگھ کو خراج کی رقم دینا بند کر دی جو وہ نواب صادق محمد خاں ثانی کے دور سے ادا کر رہے تھے جس کی وجہ سے ریاست کی مالی حیثیت کافی مستحکم ہو گئی اور اندرون ریاست نواب بہاول خاں ثالث کے عزت و وقار میں بھی اضافہ ہوا جس کے باعث عارضی طور پر ریاست کی داخلی صورتحال میں بھی امن و امان قائم ہو گیا۔

اس دوران ایسٹ انڈیا کمپنی رنجیت سنگھ کے مقابلے میں اپنی حیثیت کو اس خطے میں مستحکم کرنے میں لگی رہی اس وقت کمپنی کی خواہش تھی کہ افغان حکومت کے ساتھ بھی اس کے تعلقات قائم ہو جائیں تا کہ وسط ایشیا اور ایران میں روس کے بڑھتے اثرات کو ہندوستان میں دخل ہونے سے روکا جا سکے۔

۱۸۳۸ء میں امیر دوست محمد خاں حکمران کابل ہوئے، ایسٹ انڈیا کمپنی نے اس نئے حکمران سے تعلقات پیدا کرنے کے لیے اپنی ایک سفارت الیگزینڈر برنس کی قیادت میں اس کے دربار بھیجی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے یہ سفیر ریاست بہاول پور سے گزرے تو نواب بہاول خاں ثالث نے کمپنی کی خوشنودی کے پیش نظر ان کی خوب خاطر مدارت کی اور اپنی حفاظت میں انہیں دریائے سندھ عبور کرایا۔ [۱۹] پھر الیگزینڈر برنس نے کمپنی کے ایماء پر امیر دوست محمد خاں کو تجارتی و دفاعی نوعیت کے معاہدے کی پیش کش کی لیکن امیر دوست محمد خاں کا جھکاؤ ایران اور روس کی طرف تھا۔

اس سفارت کی ناکامی سے ایسٹ انڈیا کمپنی نے محسوس کیا کہ جب تک امیر دوست محمد خاں کابل کے تخت پر براجمان رہے گا اس وقت تک روس کی جانب سے ہندوستان میں ان کے مفادات خطرے میں رہیں گے۔اس لیے ایسٹ انڈیا کمپنی نے شاہ شجاع الملک کو تخت کابل پر بٹھانے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ کابل پر حملے کے لیے کمپنی نے شاہ شجاع اور رنجیت سنگھ سے معاہدات کیے اور اسی حملہ کے پیش نظر ایسٹ انڈیا کمپنی نے ریاست بہاول پور سے بھی ایک نیا معاہدہ کیا جس کے مندرجہ ذیل شرائط تھیں۔ [۲۰]

۱۔ ایسٹ انڈیا کمپنی اور نواب بہاول خاں ثالث، اس کے ورثاء و جانشینوں کے درمیان دوستی و اتفاق جاری رہے گا۔ایک فریق کے دوست ودشمن دوسرے فریق کے دوست ودشمن تصور کیے جائیں گے۔

۲۔ برطانوی حکومت وعدہ کرتی ہے کہ وہ ریاست بہاول پور کی حفاظت کرے گی۔

۳۔ نواب بہاول خاں ثالث اور اس کے ورثاء و جانشین برطانوی حکومت کے تابع حکم رہیں گے اور اس کی حکومت کو اعلیٰ تسلیم کریں گے اور کسی رئیس وحکومت سے تعلق نہ رکھیں گے۔

۴۔ نواب اور اس کے ورثاء و جانشین کسی رئیس وحکومت غیر سے بلا اطلاع ومنظوری سرکار انگریز دوستی واتفاق نہیں کریں گے۔

۵۔ نواب اور اس کے ورثاء و جانشین کسی پر زیادتی نہ کریں گے مگر اتفاقاً کسی سے تکرار واقع ہوگی تو وہ سپرد ثالثی سرکار انگریزی کی جائے گی۔

۶۔ سرکار بہاول پور بوقت ضرورت فوج سے سرکار انگریزی کی مدد کرے گی۔

۷۔ نواب اور اس کے ورثاء اور جانشین حاکم کل اپنے ملک کے رہیں گے اور ملک میں انگریزی انتظام داخل نہ ہوگا۔

یہ معاہدہ ایسٹ انڈیا کمپنی اور ریاست بہاول پور کے درمیان بہت زیادہ اہمیت کا حامل تھا۔اس معاہدے سے گرچہ ان کے آپس کے تعلقات انتہائی قریبی نوعیت کے ہو گئے اور ایسٹ انڈیا کمپنی نے ریاست کی حفاظت کا ذمہ خود لے لیا لیکن ان کے درمیان حیثیت کا بہت نمایاں فرق نظر آتا ہے۔کمپنی نے ریاست کو صرف ایک انتظامی اکائی میں تبدیل کر دیا جس کا سربراہ نواب محمد بہاول خاں ثالث کو قرار دیا گیا۔ریاست اپنے تمام خارجی حقوق سے محروم ہو گئی اور اسے اس امر کا پابند بنا دیا گیا کہ وہ بیرونی مہمات میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی مدد کرے گی۔اس معاہدے نے ریاست بہاول پور کو مکمل طور پر کمپنی کا ماتحت اور حلیف قرار دے دیا۔اس معاہدے کے بعد کمپنی نے نواب بہاول خاں ثالث کو حکم دیا کہ وہ اپنے علاقے سے انگریز فوج کے گزرنے کے لیے سڑک تعمیر کروائے اور اس کے ساتھ سامان رسد اور دریائی آمد و رفت کا انتظام بھی کرے۔ [۲۱] نواب بہاول خاں ثالث نے اس مقصد کے لیے فیروز پور سے لے کر براستہ چولستان دریائے سندھ تک تقریباً ڈھائی سو میل لمبی سڑک بنوائی اور اس کے ساتھ چولستان سے گزرنے کے لیے اونٹوں اور دریائے سندھ کو عبور کرنے کے لیے کشتیوں کا بندوبست بھی کیا۔ [۲۲] چنانچہ افغانستان پر حملہ کرنے کے لیے کمپنی کی فوج براستہ فیروز پور ۲۲ دسمبر ۱۸۳۸ء کو ریاست بہاول پور میں داخل ہوئی جہاں نواب بہاول خاں ثالث نے ان کا شاندار استقبال کیا۔نواب نے یہ سب کچھ اس لیے کیا تھا کہ اسے اقتدار کے لیے کمپنی کی پشت پناہی حاصل رہے۔انگریز فوج کے کابل فتح کرنے کے بعد کمپنی کی طرف سے خوشخبری کا ایک خصوصی مراسلہ نواب بہاول خاں ثالث کے نام بھیجا گیا جس کی خوشی میں نواب بہاول خاں ثالث نے احمد پور شرقیہ اور بہاول پور میں چراغاں کروایا اور توپوں کی سلامی دی۔ [۲۳]

ایسٹ انڈیا کمپنی تجارت کی آڑ میں ریاست بہاول پور کے ذریعے عسکری ساز و سامان اور فوج سندھ میں بھیج کر سرزمین سندھ پہ اپنی حیثیت کافی مستحکم کر چکی تھی۔اگرچہ امیران سندھ ایسٹ انڈیا کمپنی کے ساتھ کیے گئے

معاہدات پر پوری طرح کاربند تھے لیکن ایسٹ انڈیا کمپنی سندھ کو مکمل طور پر اپنے تسلط میں دیکھنا چاہتی تھی۔ [۲۴]

اگر ایسٹ انڈیا کمپنی کی اس وقت کی پالیسی کا جائزہ لیا جائے جو وہ سندھ کے بارے میں اختیار کیے ہوئے تھی تو اس کا اپنا مفاد صاف نظر آتا ہے۔ چارلس نیپئر نے اسوقت بزور طاقت تمام سندھ کو اپنے قبضے میں کر لیا۔ اب ایسٹ انڈیا کمپنی خشکی کے راستوں کے ذریعے سندھ میں اپنی تجارتی سرگرمیاں شروع کرنا چاہتی تھی لیکن راستے میں ریاست بہاول پور کے علاقے چولستان سے گزرنا پڑتا تھا لہٰذا اس طویل صحرا میں کمپنی نہیں چاہتی تھی کہ وہ اپنے تجارتی قافلوں کے گزرنے کے لیے خود انتظام کرے جو اس کے لیے خاصا مہنگا ثابت ہو سکتا تھا چنانچہ یہ سب انتظامات نواب بہاول خاں ثالث کے سپرد کر دیا گیا تاکہ وہ ممنون احسان رہے۔ اس مقصد کے لیے کمپنی نے ۱۸۴۳ء میں نواب بہاول خاں ثالث سے ایک نیا معاہدہ آمد و رفت برائے خشکی کیا جس میں باقی شرائط کے علاوہ ایک شرط یہ تھی ''اگر بہاول پور سے مقام سرسہ پختہ چاہات اور سرائیں مسافروں اور تاجروں کے لیے بنائی جائیں تو سرکار بہاول پور اپنے علاقے میں ہر منزل پر پختہ چاہات اور سرائیں مسافروں کے آرام کے لیے بنائے گی اور سڑک بھی بنا کر اس کی وقتاً فوقتاً مرمت کرتی رہے گی۔ [۲۵] اسی معاہدے کی آڑ میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے فروری ۱۸۴۴ء میں اپنے نمائندے رابرٹ ہملٹن، فریڈرک اور کیپٹن میریسن کو نواب بہاول خاں ثالث کے پاس بھیجا۔ انہوں نے گورنر جنرل کے کہنے پر نواب بہاول خاں ثالث سے درخواست کی کہ ریاست کی مشرقی سرحد کا علاقہ کوٹ وٹواں برطانوی ہند کی عمل داری میں دے دیا جائے چنانچہ نواب بہاول خاں ثالث نے کمپنی کے کہنے کے مطابق کوٹ وٹواں کا سرسبز و شاداب علاقہ جس پر ۲۵ ہزار سالانہ مالیہ قائم تھا، بلا کسی معاوضہ کے کمپنی کے حوالے کر دیا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ریاستی حکمران کمپنی کے سامنے پوری طرح بے بس تھا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے صحرائے راجپوتانہ کے ذریعے صوبہ سندھ میں اپنی تجارتی سرگرمیاں شروع کرنے کے بعد ان علاقوں کو زیادہ محفوظ اور پرامن بنانے کے لیے ۱۸۴۵ء میں ریاست بہاول پور اور ریاست بیکانیر

کی سرحد بندی کروادی تاکہ دونوں ریاستیں اپنے علاقوں کے اندر تجارتی شاہراہوں کا بہتر طور پر انتظام کریں۔ [۲۶]

اب کمپنی کی نظریں پنجاب پر تھیں اس لیے ایسٹ انڈیا کمپنی نے وہاں اپنا اثر ورسوخ بڑھانا شروع کر دیا۔ پھر ایسے واقعات پیش آئے کہ پنجاب کا مشرقی اور شمال مغربی علاقہ انگریزوں کے قبضے میں آ گئے۔ اس وقت ملتان پر دیوان مولراج گورنر تھا۔ اس نے ایسٹ انڈیا کمپنی سے اختلاف کے باعث اپنے عہدے سے استعفیٰ دینے کا اعلان کر دیا۔ ملتان کی سکھ فوج دیوان مولراج کے اس فیصلے سے متفق نہ تھی۔ اس لیے جب یہ لوگ ۲۲ اپریل ۱۸۴۸ء کو دیوان مولراج سے چارج لینے کے لیے قلعہ ملتان پہنچے تو سکھ فوج کی جانب سے ان پر حملہ کیا۔ لہٰذا انگریزوں نے اس آزمائش کے وقت بھی اپنے حلیف نواب بہاول خاں ثالث سے امداد طلب کی۔ [۲۷] اتنے میں مولراج کی فوج نے ایسٹ انڈیا کمپنی سے بغاوت کا اعلان کر دیا اور مولراج بھی ان کے ساتھ شامل ہو چکا تھا۔ باغی فوج نے انگریز نمائندوں کے کیمپ پر حملہ آور ہو کر انہیں قتل کر دیا۔ ایسے وقت میں ملتان کی سکھ بغاوت نے دیگر حصوں کے سکھوں کو بھی متحرک کر دیا جو پنجاب میں انگریزی اقتدار کے خلاف مزاحمت کر رہے تھے۔ اس موقع پر لاہور کے چیف کمشنر جان لارنس نے نواب بہاول خاں ثالث سے رابطہ قائم کیا اور اسے ملتان پر حملے کے لیے فوج تیار رکھنے کو کہا۔ اس کے ساتھ نواب بہاول خاں ثالث کے لیے یہ حکم بھی آیا کہ وہ اپنے علاقے میں دیوان مولراج کے آدمیوں کی سرگرمیوں پر نظر رکھے۔ اور اپنے علاقے میں اس کی جائداد ضبط کر لے۔ نواب صاحب نے اس پر عمل کرتے ہوئے دیوان مولراج کی جائداد ضبط کر لی اور اس کے وکیل کو ریاست بدر کر دیا۔ [۲۸] ایسٹ انڈیا کمپنی نے اس بغاوت کو دبانے کے لیے لیفٹیننٹ ایڈورڈز کو فوج سمیت ملتان کی طرف بڑھنے کا حکم دیا۔ اس کے ملتان پہنچنے سے پہلے کمشنر لاہور نے نواب بہاول خاں ثالث کو اپنی فوج علاقہ ملتان میں داخل کرنے کو کہا اور ساتھ یہ تاکید بھی کی کہ اس کی فوج دریائے ستلج کے پار جتنے علاقے پر ممکن ہو، قبضہ کر لے اور وہاں امن وامان برقرار رکھے اور فصل ربیع کا مالیہ وصول کرے۔ نواب بہاول خاں ثالث نے اپنی

تین ہزار سے زیادہ فوج دریائے ستلج کے پار بھیج دی۔ اب ایسٹ انڈیا کمپنی نے ملتان پر ایک بڑا حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ اس کے لیے نواب بہاول خاں ثالث سے مزید فوج طلب کی گئی۔ چنانچہ نواب نے مزید فوج بھیجی۔ لیفٹیننٹ ایڈورڈز جو ملتان کی طرف پیش قدمی کر رہا تھا اسے یہ خبر دریائے چناب کے کنارے ملی اس نے اسی وقت ایک مراسلہ نواب بہاول خاں کے نام ارسال کیا جس میں نواب بہاول خاں ثالث کی خدمات کو سراہا اور اس اہم موقع پر مدد کا شکریہ ادا کیا اور ساتھ ہی ریاستی فوج کی فتح پر مبارک باد دی۔ [۲۹]

ریاست بہاول پور کی فوج کو اس کی شاندار خدمات پر بیش قیمت انعامات سے نوازا گیا۔ گورنر جنرل لارڈ ڈلہوزی نے نواب محمد بہاول خاں ثالث کے لیے ایک لاکھ روپیہ سالانہ پنشن تا حیات مقرر کی اور آٹھ لاکھ روپیہ فوج کی خدمات کے لیے دیا گیا۔ فتح ملتان کے ساتھ ہی تمام پنجاب سے سکھ حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ ریاست بہاول پور کو تین نسلوں تک سکھوں سے اپنی بقاء کا خطرہ لاحق رہا تھا اور وہ سکھوں کو بھاری خراج ادا کرتے رہے تھے۔ جو انہیں واپس نہ ملا کیونکہ اسے انگریزوں نے اپنی عمل داری میں شامل کر لیا تھا لیکن ریاستی حکمران اس پر خوش تھے کہ انہیں سکھوں کے خطرے سے نجات مل گئی۔

حوالہ جات

۱۔ V.A. Smith, *The Oxford Student History of India*, London, 1951, p.741.

۲۔ Ibid, P. 742.

۳۔ M. R. Palande, *Introduction to India Administration*, Bombay, 1951, p.p.81-82.

۴۔ Ibid, P. 83.

۵۔ Shahamat Ali , *History of Bahawalpur*, London, 1948, p.142.

۶۔ Henry Steinback, *The Punjab*, Karachi, 1973, p.171.

Shahamat Ali , Opcit, p.174. ۷۔

Sinha, N.K. *Ranjit Singh*, Calcutta, 1933, p.p. 116-117. ۸۔

S.S. Thorburn , *The Punjab in Peace and War*, Lahore, n.d/p. 5. ۹۔

Khushwant Singh, *A History of the Siks*, Vol. 1(1469-1893), Delhi, 1977, p. 275. ۱۰۔

Shahamat Ali , Opcit, p. 176. ۱۱۔

Din Mohammad, *Political History of Bahawalpur*, d.n.f-2. ۱۲۔

Ibid, f-4 ۱۳۔

Ibid, f-5 ۱۴۔

۱۵۔ سید مراد شاہ گردیزی، تاریخ مراد، (جلد چہارم) ف ۱۵۔

۱۶۔ ایضاً، ف ۱۸۔

Henry Steinback, Opcit, p. 175. ۱۷۔

۱۸۔ سید مراد شاہ گردیزی، بحوالہ سابقہ، ص ۱۸۔

S.A. Akhtar Kazmi, *Anglo Afghan Tussle*, karachi, 1984, p. 37. ۱۹۔

Shahamat Ali, Opcit, p. 219. ۲۰۔

۲۱۔ اشرف گورگانی و دین محمد، بحوالہ سابقہ، ص ۲۱۵۔

Din Mohammad, *Political History of Bahawalpur*, p. 20. ۲۲۔

۲۳۔ اشرف گورگانی و دین محمد، بحوالہ سابقہ، بہاول پور ۱۹۹۹ء، ص ۲۱۷۔

Roberts, P.E. *History of Brithsh India*, London, 1958, p. 328. ۲۴۔

۲۵۔ سید مراد شاہ گردیزی، بحوالہ سابقہ، ص ۶۹۔

۲۶۔ ایضاً، ص ۸۷۔۸۸۔

۲۷۔ ایضاً، ص ۸۹۔

۲۸۔ اشرف گورگانی و دین محمد، بحوالہ سابقہ، ص ۲۲۴۔

Din Mohammad, Opcit, p.46. ۲۹۔